پروفیسر خواجہ محمد اسلم

نظامِ تعلیم میں تعمیری رجحانات

اکیس برس پیشتر جب اس خطۂ ارضی سے غلامی کی شبِ تاریک دور ہوئی اور آزادی کے آفتاب نے اپنی حیات آفرین کرنوں سے اسے بقعۂ نور بنا دیا تو یہاں کے باشندوں کو بالکل فطری طور پر اپنے مقاصد پوری تابندگی کے ساتھ نظر آنے لگے۔

شعرا اور حکما نے غلامی اور جہالت کو اندھیرے سے تعبیر کیا ہے اس کی اغلباً وجہ یہ ہے کہ غلامی کی گھٹن میں انسان کا صحت مندانہ فکری نشو و نما ممکن نہیں ہوتا اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اس انداز پر استعمال کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے جس طرف آقا کا ابروئے چشم اشارہ کرے۔ دنیا کی جن بدنصیب قوموں کو غلام بنایا جاتا ہے ان کے صرف اموال و املاک پر ہی قبضہ نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے ذہنوں کو بھی ماؤف و مفلوج کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی منزلِ مقصود ان کے مقصدِ حیات اور ان کے نصب العین کے اردگرد شکوک و شبہات کے ایسے گرد باد اڑائے جاتے ہیں کہ اقوام اپنی منازل اور اپنے مقاصد کو دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں اور استعمار کا ظالم ہاتھ ان کی نکیل تھام کر جس طرف چاہتا ہے ہانک کر لے جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آزادی سے زیادہ انسان کے لیے دنیا میں کوئی بڑی نعمت نہیں۔ غلامی کے معنی ہیں فکر و نگاہ اور جذبہ و احساس کی محرومی اور جسم کی مجبوری اور بے بسی۔ غلامی کے عملی مضمرات آخر اس کے علاوہ اور کیا ہیں کہ ایک فرد یا قوم جسے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے وہ غیروں کی نظر سے دیکھے، غیروں کے دیے ہوئے افکار سے متاثر ہو، غیروں کے پسند و ناپسند کے معیار کو اپنائے اور غیروں کے مفادات کے حصول کے لیے تگ و دو کرے۔ الغرض غیروں کے لیے جیئے اور غیروں کے لیے مرے۔ یہ اندوہناک صورت انسانی عز و شرف کی توہین بلکہ اس کے اس اساسی جوہر کی، جس کی وجہ سے وہ یہاں خدا کا نائب

بنایا گیا ہے تذلیل ہے۔ غلام قومیں انسانوں کی بیدار تنظیمیں نہیں ہوتیں بلکہ بے شعور اور بے زبان
جانوروں کے گلے ہوتی ہیں جنھیں استعمار کا استبداد جس طرح چاہتا ہے استعمال کرتا ہے۔

مجھے تسلیم ہے کہ قوم آزادی حاصل کرنے کے بعد جب اپنی دنیا آپ تعمیر کرنے کے لیے
جدوجہد کرتی ہے تو اس سے مختلف قسم کی غلطیاں اور لغزشیں بھی سرزد ہوتی ہیں۔ فکر و نظر کی
نئی نئی وسعتوں اور فعل و عمل کے نئے نئے میدانوں میں قدم رکھنے کے بعد ان کا بعض مقامات
پر لغزش کھا جانا کوئی انہونی بات نہیں۔ جب ایک فرد یا قوم اپنی بصیرت کی روشنی میں اور اپنے
فہم و فراست کے نور سے کام لے کر اور اپنی قوتوں کے سہارے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے
لیے جدوجہد کرے گی تو لامحالہ مختلف تجربات میں سے گزرتے ہوئے اس سے مختلف قسم کی
کوتاہیاں سرزد ہوں گی۔ اس کے قدم بھی ڈگمگا جائیں گے اور اس سے بعض غلط فیصلے بھی ہوں گے
مگر جلد ہی وہ اپنی منزل کو پہچان کر فکر و احساس کے اعتدال اور خداداد صلاحیتوں پر بھرپور
اعتماد کے ساتھ صحیح سمت پر گامزن ہوگی۔ چنانچہ زندگی کے مختلف میدانوں میں ہم اس وقت
جو تگ و دو کر رہے ہیں ان کے بارے میں ملک کے اندر اور ملک کے باہر بعض اوقات حرف گیری
کی جاتی ہے۔ یہ حرف گیری اگر خلوص اور دیانتداری سے کی جائے تو ہمارے تعمیری رجحانات کو
اس سے تقویت پہنچ سکتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ ملک کی تعمیر نو میں ہم
مثبت انداز کی جو جدوجہد کر رہے ہیں اس میں بعض اوقات بعض پہلوؤں میں مطلوبہ معیار
قائم نہیں رکھ سکتے۔ ہمارے اہل وطن کی یہ کوتاہیاں "آزمائش اور لغزش" کے ذیل میں آتی
ہیں۔ چنانچہ ہمیں حکومت اور عوام کی کوششوں کے نتائج کا جائزہ لیتے وقت یہ دیکھنا چاہیے
کہ اپنی منزل کے کس حد تک قریب پہنچے ہیں۔ اپنے نصب العین کے حصول میں ہمیں کہاں
تک کامیابی ہوئی ہے اور اس راہ میں ہمارے قدم کن مقامات پر کانٹوں سے الجھے ہیں
اور ان سے دامن بچا کر چلنے کے لیے ہم نے کیا اہتمام کیا ہے۔

اسی نقطۂ نظر سے میں اپنے ملک کے تعلیمی نصاب میں بعض بنیادی تبدیلیوں کا ذکر ضروری
سمجھتا ہوں مگر نصاب تعلیم میں ان انقلاب انگیز تغیرات کی صحیح قدر و قیمت اسی وقت متعین
ہو سکتی ہے جب ہم سب سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ آخر ہمارے نظام تعلیم کا مقصد وحید کیا ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ مقصد کے معاملے میں ہمارے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ پاکستان کا وجود مسلمانوں کی دینی آرزوؤں اور ملّی امنگوں کا مظہر ہے۔ اس ملک کے حصول کا واحد مقصد یہ تھا کہ اسے اسلامی نظامِ حیات کی ایک کامیاب تجربہ گاہ بنا کر پوری دنیا کو اس سے روشناس کیا جائے۔ اگر حالات و واقعات سکون آفرین ہوتے، ان میں کوئی حرکت اور جنبش نہ ہوتی تو معاملہ بالکل آسان تھا۔ ہم اپنے روشن دورِ ماضی کے فقہی اجتہادات کو بالکل جوں کا توں اپنا لیتے اور ایک اسلامی معاشرہ خود بخود معرضِ وجود میں آجاتا۔ لیکن اصل پیچیدگی یہ ہے کہ جدید دنیا میں بعض ایسے عجیب و غریب مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو ہمیں اس بات پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ اسلام کی ابدی اور ناقابلِ تغیر تعلیمات کی روشنی میں ہم ان کا حل تلاش کریں تاکہ ہم ایک طرف تو اسلام کے تقاضے پورے کریں اور دوسری طرف سائنس اور صنعتی اور معاشی میدان میں عصرِ حاضر کی غیر معمولی ترقیوں سے بھی کماحقہ استفادہ کر سکیں۔ بلکہ ان دائروں میں اقوامِ عالم پر سبقت لے جائیں۔ خواب و خیال کی دنیا میں بسنے والے افراد جو چاہیں کہتے رہیں لیکن جو شخص بھی پاکستانی قوم کے مسائل کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے گا وہ ہمیشہ ان واضح حقائق کو سامنے رکھے گا اور ان کا حل تلاش کرے گا یعنی وہ کونسی تدبیر ہے جس کے ذریعے ہماری نوخیز نسلیں اسلام کی علمبردار بن کر دنیا میں اٹھیں ان کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کی مظہر ہوں۔ مگر وہ دورِ جدید میں دنیا کے مسائل میں بھی مجتہدانہ بصیرت رکھتی ہوں اور سائنسی اکتشافات اور ایجادات میں مغربی اقوام کی ہم عنان اور ہم رکاب ہوں۔ اگر ہم محض سائنس اور ٹیکنالوجی کے غلام بن کر رہ جائیں تو پھر ایک تو اس دنیا میں ہمارا مقصدِ وجود بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے، دوسرے ہمیں لامحالہ انھیں مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا جن میں مادّی تہذیب کی اندھا دھند پیروی نے اہلِ مغرب کو گرفتار کر رکھا ہے۔ مغربی تہذیب نے اخلاق اور روحانیت سے یکسر بے پروا ہو کر جو تشویش ناک نتائج پیدا کیے ہیں، ان پر خود اس تہذیب کے دانش مند چیخ اٹھے ہیں، اور وہ اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ تہذیب کے اس یک رخے ارتقا نے بعض ایسی عجیب و غریب پیچیدگیاں پیدا کی ہیں جنھوں نے حیاتِ انسانی کو مادّی اسباب کی فراوانی کے باوجود ایک عذاب بنا رکھا

ہے۔ مگر دوسری طرف کوئی عقل مند اور حقیقت پسند انسان اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ دور جدید کی مادّی ترقیوں اور سائنسی انکشافات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھائے بغیر اور اس میدان میں مغربی اقوام کے دوش بدوش چلے بغیر مسلمان کبھی اس دنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

یہ مادّی اسباب کوئی اہل مغرب کی میراث نہیں جس پر ہمارا کوئی حق نہ ہو۔ یہ مادی ترقیاں اور فطرت کے یہ نئے نئے انکشافات پوری انسانیت کا مشترک سرمایہ ہیں جن سے استفادہ کرنے کا ہر قوم کو برابر حق حاصل ہے۔ پھر ہمارا حق تو دوسری اقوام سے اس بنا پر فائق ہے کہ یہ سرمایہ درحقیقت ہمارے ہی آباء اجداد کا ترکہ ہے جس سے ہم اپنی غفلت کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور یورپ نے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

اسلام کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات اور مغرب کی سائنسی ایجادات اور اس کے انکشافات کے درمیان تخلیقی امتزاج پیدا کرنا ہی مسلم قوم کے نزدیک دور حاضر کا سب سے اہم ملّی مسئلہ ہے۔ صدر مملکت نے "Friends not Masters" کے نام سے جو انقلاب انگیز اور حیات آفرین کتاب لکھی ہے اس میں بھی انھوں نے اس موضوع پر نہایت بالغ نظری کے ساتھ اظہار خیال فرمایا ہے، اور اس مسئلے کے سارے گوشوں کا بڑی سنجیدگی، علمی گہرائی اور اپنی روایتی بصیرت و فراست سے جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ ہمیں ایک ایسے نظامِ حیات کی تشکیل کی ضرورت ہے جو اسلام کی حیات آفرین اقدار کا مظہر ہونے کے ساتھ تسخیر کائنات میں جدید انسان کی کامرانیوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹنے کی پوری وسعت اور قدرت رکھتا ہو۔ صدر محترم کی یوں تو یہ ساری کتاب فکر انگیز ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ حصہ نہایت ہی گہرے تجزیے پر مشتمل ہے جس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کی راہ میں کون سے موانع حائل ہیں اور انھیں کن تدابیر سے دور کر کے ایک ترقی پذیر فلاحی مملکت کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ اسلامی مملکت کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس کے اصول و مبادی پر بھی مختلف زاویوں سے بحث ہوئی ہے لیکن صدر مملکت نے اس کے عملی مضمرات کا جس فراست کے ساتھ جائزہ لیا ہے وہ اسلامی دستور کی تدوین میں سنگ میل

کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب میں مختصر طور پر انھیں مضمرات کی روشنی میں نصاب تعلیم میں نئے رجحانات اور نئی تبدیلیوں کا بڑے اختصار کے ساتھ ذکر کرتا ہوں۔

ہمارے نصاب تعلیم میں سب سے بڑی اور نمایاں تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کا پورا التزام کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت ثانوی تعلیم تک دینیات لازمی مضمون کی حیثیت سے داخل نصاب کی گئی ہے۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے میں یہ ایک اختیاری مضمون کے طور پر نصاب میں شامل ہے اور ایم۔ اے میں یہ الگ مستقل مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ طلبہ کو اسلامی فکر و احساس سے بہرہ ور کرنے کے لیے حکومت کس طرح فکرمند ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایم۔ اے میں کئی مضامین ایسے ہیں جن میں اسلامی تعلیمات سے واقفیت اس مضمون میں کامیابی کے لیے ضروری خیال کی گئی ہے۔ چنانچہ ایم۔ اے سیاسیات میں اسلامی حکومت اور اسلام کے تصور سیاست کا بھی ایک الگ پرچہ ہوتا ہے اور اسلام کے معاشرتی تصورات کی تعلیم کا بھی خاص انتظام ہے۔ ایم۔ اے معاشیات میں بھی اسلامی معیشت کو داخل نصاب کیا گیا ہے۔ نہ صرف عمرانی علوم بلکہ خالص فنی اور سائنسی علوم کی تدریس میں بھی اسلامی تعلیمات ضروری قرار دی گئی ہیں۔ چنانچہ انجینئرنگ یونیورسٹی اور زراعتی یونیورسٹی میں اسلامیات کا ایک الگ مستقل شعبہ قائم ہے جو طلبہ کو اسلامی اقدار سے پوری پوری واقفیت بہم پہنچاتا ہے۔

پھر اسلامی تعلیمات کی تدریس کا ایک نہایت ہی قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ طلبہ کو فنی پیچیدگیوں اور فقہی موشگافیوں میں الجھانے کی بجائے انھیں اسلام کی ان تعلیمات سے بہرہ مند کرنے پر زور دیا جاتا ہے جو ان کے فکر و نگاہ میں پاکیزگی، ان کی سیرت و کردار میں پختگی اور ان کے جذبات و احساسات میں خدا ترسی اور انسانیت دوستی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ اسلامیات کے نصاب کی ترتیب و تدوین میں اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ ایسا نصاب تیار کیا جائے جس سے ہمارے نوجوانوں کے اندر تعصب، تنگ نظری، اور منفی جذباتیت پیدا ہونے کی بجائے افکار میں وسعت، جذبۂ احساس میں اعتدال اور عمل کے لیے امنگ اور ولولہ پیدا ہو۔ اور وہ پاکستان کی تعمیر بلکہ پوری انسانیت کی تشکیل نو

میں ایک قابل فخر کردار ادا کر سکیں۔ جو شخص بھی ہمارے نصاب تعلیم کے اسلامی رجحانات کا جائزہ لے گا وہ اس حقیقت کا ہر منزل پر خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے گا۔ پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک اسلام کی بنیادی تعلیمات پر سارا زور صرف کیا جا رہا ہے مثلاً توحید، رسالت، آخرت جیسے اساسی تصورات، پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات، اسوۂ حسنہ سے محبت اور گہری واقفیت اور اپنی تابناک تاریخ کے روشن ابواب سے طلبہ کو لذت آشنا کیا جاتا ہے۔ ایم۔ اے علوم اسلامی میں قرآن و سنت کی تعلیم کے علاوہ طلبہ کو دور جدید کے مسائل سے روشناس کرا کے ان کے اسلامی حل تلاش کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ دور از کار مباحث سے زیادہ سے زیادہ دامن بچانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے اندر دینی اعتبار سے ایسی بالغ نظری اور حقیقت پسندی پیدا ہو کہ وہ دور حاضر کے پیچیدہ مسائل کو اسلام کی روشنی میں بطریق احسن حل کرنے کا اپنے اندر ذوق و اہلیت پیدا کر سکیں۔

نصاب تعلیم کے اندر دوسری نمایاں تبدیلی سائنس اور ٹیکنالوجی (صنعیات) کی تعلیم پر زور ہے۔ آزادی سے پیشتر ہمارے نظام تعلیم کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ ہم انگریز کی انتظامی مشینری کے لیے سستے کل پرزے مہیا کر سکیں لیکن آزادی کے بعد اب ہمیں سائنس دان، فنی ماہرین اور زندگی کے مختلف میدانوں کے لیے رہنما درکار ہیں۔ اس غرض کے لیے ہمیں ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو سائنسی انکشافات اور نئی صنعتوں کے قیام میں ہمیں عملی رہنمائی بہم پہنچا سکیں تاکہ ہم مادی اعتبار سے نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں بلکہ ان سارے میدانوں میں دوسروں پر سبقت لے جائیں۔ جب تک ہمارا ملک معاشی طور پر مضبوط نہیں ہوتا یعنی جب تک اس کی زراعت، اس کی صنعت اور تجارت ٹھوس بنیادوں پر استوار نہیں ہوتی اور ان معاملات میں ہم دوسری اقوام کی معاونت اور دستگیری سے بے نیاز نہیں ہوتے اس وقت تک ہم دنیا کی کوئی رہنما قوت نہیں بن سکتے۔ چنانچہ ہماری حکومت نے اس مسئلہ کی طرف بھی پوری پوری توجہ دینا شروع کی ہے نہ صرف نصاب تعلیم کے مختلف مرحلوں پر سائنس کی تعلیم کا معیار بلند کیا بلکہ اس میدان میں تحقیق کا بھی پوری طرح اہتمام کیا ہے۔ اس غرض کے لیے نئی معیاری کتب مرتب کی گئی ہیں۔ مختلف

تجربہ گاہوں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ مختلف مرکزی مقامات پر سائنس کالج کھولے گئے ہیں، اور سائنسی علوم کی توسیع و ترقی کے لیے کئی ایک ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ ماضی میں ہمارے طلبہ کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ بغیر کسی مقصدیت کے آرٹس کی تعلیم حاصل کرتے رہیں۔ ہمارے تعلیمی ادارے کلرک تیار کرنے کے محض کارخانے تھے مگر اب اس صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد نئی تعلیمی پالیسی وضع کی گئی ہے اور طلبہ کو صنعتی تعلیم کے حصول پر راغب کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے قریب قریب ہر بڑے شہر میں پالی ٹیکنیکل اسکول اور ادارے قائم کیے گئے ہیں جہاں طلبہ کو صنعتی اور فنی تعلیم دینے کا پورا پورا انتظام موجود ہے۔

نصاب تعلیم میں تیسری تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ ماضی کے غلامانہ طرز فکر کے بجائے قوم کے اندر حریت افکار اور ملی اور قومی احساسات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، خاص طور پر معاشرتی علوم کے اندر تو یہ تبدیلیاں بڑی نمایاں ہیں۔ سیاسیات، عمرانیات اور شہریت کے لیے جو نئے نصاب مرتب ہوئے ہیں اُن میں تو اس بات کا خاص طور پر اہتمام کیا جا رہا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے اندر ایک آزاد قوم کے باشعور اور ذمہ دار شہری ہونے کا احساس پوری طرح بیدار ہو اور وہ اس قابل ہوں کہ اپنے ملکی اور قومی مسائل پر اپنے زاویہ نگاہ اور اپنے طرز فکر کے مطابق غور و خوض کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت نے نہ صرف تدوین نصاب کی براہ راست نگرانی کی ہے بلکہ اس کے لیے خود اپنی نگرانی میں ملک کے نامور اصحاب علم سے کتابیں لکھوانے کا بھی بندوبست کیا ہے۔ حال ہی میں شہریت پر جو کتابیں لکھوائی گئی ہیں ان میں پاکستانی شہریت کا شعور اور اس کی ذمہ داریوں کا احساس پوری طرح سمویا گیا ہے۔ میں چونکہ خود اس مضمون کے نصاب کی ترتیب و تدوین اور کتاب کی تسوید میں اول سے آخر تک شریک رہا ہوں اس لیے میں اس بات کا اندازہ کر سکتا ہوں کہ حکومت نوجوانوں کے فکر و نگاہ کو تبدیل کرنے کی کتنی آرزومند ہے اور اس کے لیے وہ کس نوعیت کی صحت مند اور تعمیری تبدیلیاں لا رہی ہے۔

ہماری تعلیم میں ایک اور اہم تغیر جو افکار و احساس کی پوری دنیا کو بدلنے کا ایک موثر ذریعہ ہے وہ نصاب تعلیم میں اپنی قومی اور ملکی زبانوں کو ان کا صحیح مرتبہ و مقام دلانا ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زبان محض اظہار خیال کا ہی ذریعہ نہیں بلکہ کسی فرد یا قوم کا ذہنی پس منظر تیار کرنے اور اس کے

افکار و نظریات کو مخصوص سانچوں میں ڈھالنے کے لیے زبان کو ہمیشہ بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ زبان کے بدل جانے سے فکر و نظر کے زاویے اور جذبہ و احساس کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ لارڈ میکالے نے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بناتے وقت اس حقیقت کو کھل کر بیان کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اس تبدیلی سے آئندہ ایک ایسی قوم تیار ہو گی جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہو گی مگر فکر و نظر کے اعتبار سے انگریز ہو گی۔ چنانچہ گذشتہ سو سال سے ہم تغیر کے نتائج خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ قوم کبھی بھی آزادی کی نعمت سے پوری طرح لذت آشنا نہیں ہو سکتی جس کی اپنی زبان نہ ہو۔ اپنی زبان سے ہی اس کے اندر اپنی قومیت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ اسی احساس کے تحت گذشتہ چند سالوں سے انگریزی کی جگہ اردو اور بنگالی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے بعض نہایت ہی موثر اقدامات کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں جو متعدد کوششیں ہوئی ہیں انھیں تین نوعیتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ مغربی پاکستان کے ہر طالب علم کے لیے اردو کی تعلیم اور مشرقی پاکستان کے لیے بنگالی کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ اسی اصول کے پیش نظر اعلیٰ ثانوی تعلیم تک ہر طالب علم کو ان دونوں زبانوں میں سے ایک زبان پڑھنا پڑتی ہے۔ اس ضمن میں دوسری بڑی دور رس تبدیلی ذریعہ تعلیم کی تبدیلی ہے، یعنی انگریزی کی جگہ اردو اور بنگالی کو ذریعۂ تعلیم بنایا جا رہا ہے۔ اس سے ہمیں فطری طور پر دو بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو ہمارے بچوں کی جو محنت غیر ملکی زبان سیکھنے میں بے کار صرف ہوتی ہے وہ بچ جائے گی دوسرے اپنی زبان میں مختلف مضامین پڑھنے سے ان کے اندر ان مضامین کی بہتر سمجھ بوجھ اور فہم و ادراک پیدا ہو گا۔ اس وقت تک صورت حال یہ ہے کہ طلبہ کا زیادہ وقت زبان کا حجاب دور کرنے میں ضائع ہو جاتا ہے، اور اصل مضمون تک بڑی مشکل سے رسائی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی اور اہم کام بھی کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ علمی اصطلاحات وضع کر کے قومی زبانوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے معیاری کتب لکھی گئی ہیں۔ اس ضمن میں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ زبان کی تبدیلی کا یہ عمل بڑے فطری اور حکیمانہ انداز سے کیا جا رہا ہے اور اس معاملے میں اندھے جذبات کو راہ پانے کا کوئی موقع نہیں دیا گیا۔ انگریزی زبان کے ساتھ کسی قسم کے بے جا تعصب سے کام

لے کر اسے خواہ مخواہ نصاب سے خارج نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اس کی بین الاقوامی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور اعلیٰ فنی اور سائنسی تعلیم میں اس کی افادیت اور اہمیت کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہوئے اسے نصاب میں شامل رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے بے جا غلبہ کو بہرحال کم کر کے اسے ایک ایسی زبان کی حیثیت سے نصاب میں داخل کیا گیا ہے جو مغربی علوم و فنون کی کلید ہے یعنی اب اس زبان کا پڑھنا بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں بلکہ دوسرے اعلیٰ مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ انگریزی ادب پر زور دینے کے بجائے اب اس زبان کے افادی پہلو کو سامنے رکھ کر اس کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ باقی رہے وہ طالب علم جنھیں انگریزی ادب سے لگاؤ اور مناسبت ہے انھیں اپنے اس ذوق کی تسکین کے لیے پوری آسانیاں مہیا ہیں۔

نصابِ تعلیم میں ایک بہت نمایاں تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں اب پورا پورا توافق اور توازن پیدا ہو گیا ہے۔ یہ تبدیلی ایک مضبوط مرکز کے قیام کی وجہ سے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ کیونکہ ہماری حکومت میں اتنی قوت و صلاحیت پیدا ہو گئی ہے کہ قومی زندگی کے مختلف شعبوں کی براہ راست اور بڑے مؤثر انداز میں نگرانی کر سکے۔ چنانچہ اب ہر شعبہ مخصوص مفادات کے تابع ہونے کی بجائے ملی مقاصد کے تحت وسیع تر قومی اساس پر اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ تعلیمی میدان میں اس سے یہ فائدہ ہوا کہ نصابِ تعلیم کی ملک گیر بنیادوں پر منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور پوری قوم کے مفاد و مصالح کے پیشِ نظر اس منصوبے کی روشنی میں نظامِ تعلیم کو چلایا جاتا ہے۔ اس طرح سے ملک کے نظامِ تعلیم و تربیت میں اطمینان بخش ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے اور اس بات کی پوری توقع کی جا سکتی ہے کہ ہماری نوخیز نسلیں گروہی، نسلی اور مقامی عصبیتوں سے یکسر پاک ہو کر اپنے مسائل کو ملی اور قومی بنیادوں پر حل کرنے کی استعداد پیدا کریں گی۔